TAMSAAL
ISSN Print: 3007-5939
ISSN Online: 3007-5947
Volume 4, Number 6, 2026, Pages 282 – 296
Journal Home Page
https://tamsaal.pk/index.php/tamsaal/index

شفیق آصف کی ماہیا نگاری

Shafeeq Asif's Mahiya Writing

Arifa Gul[1]

[1]*PhD Scholar, University of Southern Punjab Multan,*
Email: arifashafqat268@gmail.com

ARTICLE INFO

Article History:

Received:	*April*	*29, 2026*
Revised:	*June*	*10, 2026*
Accepted:	*June*	*17, 2026*
Available Online:	*June*	*26, 2026*

Keywords:

Shafiq Asif, Urdu Mahiya, Punjabi Mahiya, Folk Poetry, Contemporary Urdu Poetry, Love, Social Consciousness, Cultural Values, Symbolism, Lyricism, Poetic Tradition, Literary Analysis
.

Corresponding Author:
Arifa Gul
Email:
arifashafqat268@gmail.com

DOI: *https://doi.org/10.59075/tamsaal.v4i6.110*

OPEN ACCESS

ABSTRACT

Shafiq Asif is regarded as one of the prominent contemporary Urdu poets who has demonstrated his creative excellence not only in the genres of ghazal, nazm, and prose poem but also in Mahiya writing. By preserving the traditional structure, rhythm, and spirit of the Punjabi Mahiya, he has enriched Urdu Mahiya with artistic refinement and literary significance. His two collections, Jab Khwab Bikharte Hain and Ik Chehra Banaunga, reflect his serious commitment to and mastery of this poetic form. Love remains the central theme of Shafiq Asif's Mahiyas; however, his poetry also encompasses a wide range of subjects, including separation and union, the portrayal of the beloved's beauty, hope, remembrance, longing, social values, human relationships, the transience of worldly life, cultural consciousness, and allusions to Punjabi romantic folk tales. His Mahiyas are distinguished by simplicity of expression, depth of thought, sincerity of emotion, effective use of symbolism and imagery, melodiousness, and lyrical beauty. Overall, Shafiq Asif's Mahiya writing presents a harmonious blend of tradition and modernity. Rather than confining the genre to romantic expression alone, he has expanded its scope by incorporating contemporary intellectual, social, and cultural concerns. These qualities have earned him a distinctive position among his contemporaries and established his contribution as a valuable addition to the tradition of Urdu Mahiya.

© 2026 The Authors, Published by ULLR. This is an Open Access Article under the Creative Common Attribution (CC-BY 4.0)

ماہیا کی اصل پنجابی لفظ "ماہی" ہے جس کے معنی "مہیں (بھینسیں) چرانے والا" کے ہیں۔ لفظ "ماہیا" میں شامل الف دراصل حرفِ ندا ہے، جس کے باعث اس کے مفہوم میں "اے ماہی" یا "اے محبوب" کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ پنجابی کلاسیکی ادب، خصوصاً "ہیر وارث شاہ (۱۷۶۶ء)" میں "ماہی" کا استعمال بھینسیں چرانے والے کے معنی میں ملتا ہے۔ بعد ازاں یہی لفظ اپنی لغوی معنویت سے آگے بڑھ کر محبوب اور دلبر کے مفہوم میں بھی رائج ہو گیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس لفظ کی اصل اور معنوی ارتقا کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی لسانی اور ادبی حیثیت کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا ہے:

"ہمارے خیال میں ماہی ، مہینوال کی مخفف صورت ہے جس کے معنی بھینسیں چرانے والا ہے۔" (۱)

پنجاب میں "ما ہی " یا "ما ہیا " محبوب کے معنی میں بھی ا ستعمال ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت حیدر قریشی نے ان الفاظ میں کی ہے :

> "محبت کے قصوں میں رانجھے اور مہنیوال کو اپنے اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرنے کے لیے چرواہا بننا پڑا تو پھر ان کرداروں کی رومانوی کشش نے لفظ ماہی کو چرواہے کی سطح سے اٹھا کر نہ صرف ہیر اور سوہنی کا محبوب بنا دیا بلکہ ہر محبت کرنے والی مٹیار کا محبوب ما ہی قرار پایا۔" (۲)

مقصود ناصر چودھری نے بھی ماہیا کا معنی "معشوق " قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں :

> "ماہیا معشوق نوں اکھیاں جاندا ہے۔" (۳)

پروفیسر شارب اپنے مضمون "کچھ ماہیے بارے " میں لکھتے ہیں:

> "ماہیا لفظ ماہی کے ساتھ الف ندائیہ لگا کے ماہیا بنا لیا گیا ہے جو کہ محبوب ، ساجن ، پیارا ، ڈھولا اور معشوق کے معنوں میں آتا ہے۔" (۴)

محبوب سے اپنے جذبات اور محبت کے اظہار کے وسیلے کے طور پر ماہیا بتدریج ایک عوامی گیت کی صورت اختیار کر گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ اپنی موجودہ ہیئت میں لوک شاعری کی ایک مستقل صنف کے طور پر پہچانا جانے لگا۔ پنجاب کی لوک روایت میں ماہیا کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے اور یہ خطے کے تقریباً ہر علاقے میں کسی نہ کسی انداز میں گایا اور سنا جاتا ہے۔ راولپنڈی، میانوالی، جہلم، گجرات، سرگودھا، ملتان اور ہزارہ ڈویژن کے دیہی و شہری علاقوں میں اس صنف کی مختلف صورتیں آج بھی مقبول ہیں۔ اپنی عوامی مقبولیت اور ادبی کشش کے باعث ماہیا پنجابی زبان کی حدود سے نکل کر اردو ادب میں بھی ایک باقاعدہ شعری صنف کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور عصرِ حاضر میں متعدد اردو شعرا اس صنف میں کامیاب تخلیقی اظہار کر رہے ہیں۔

پنجابی زبان میں ماہیا کی تحریری ہیئت کے حوالے سے مختلف آرا پائی جاتی ہیں، جن کی بنیاد پر اسے عموماً تین انداز سے لکھا جاتا ہے۔ پہلے طریقۂ تحریر میں پورا ماہیا ایک ہی مسلسل مصرع کی شکل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تائید تنویر بخاری، امین خیال اور عاشق حسین عاشق جیسے اہلِ قلم کرتے ہیں جو اسے ایک وحدت کے طور پر پیش کرنے کے قائل ہیں۔ دوسرے طریقے میں ماہیا کو ڈیڑھ مصرعے کی صورت میں تحریر کیا جاتا ہے۔ اس رائے کے نمایاں

نمائندہ عبدالغفور قریشی ہیں، جن کے نزدیک ماہیا بنیادی طور پر ڈیڑھ مصرعے پر مشتمل ایک عوامی گیت ہے اور اسی ہیئت میں اس کی اصل ساخت اور فنی شناخت برقرار رہتی ہے۔

"اہ دیس پنجاب دا اک بے حد مقبول گیت اے جیہڑا ٹپے
وانگوں ڈیڑھ مصرعے دا گیت اے۔ پہلا مصرع چھوٹا تے دوجا وڈا
ہندا اے جس وچ شعر دی جند جان ہندی اے۔"(۵)

احمد ندیم قاسمی کی رائے بھی یہی ہے :

"پنجاب کا محبوب ترین گیت ماہیا ہے ۔ ہیئت کے لحاظ سے یہ اردو یا ہندی کی کسی صنف شعر سے مماثلت نہیں رکھتا ۔ یہ دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے ۔ پہلا ٹکڑا عموماً بے معنی ہوتا ہے اور یہ دوسرے مصرعے کے ہم قافیہ اور ہم ردیف الفاظ پیش کر کے ماہیا کی اصلی کلی سے قطعی الگ ہو جاتا ہے۔" (٦)

تیسرے نقطۂ نظر کے مطابق ماہیا تین الگ الگ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہی اس کی سب سے زیادہ معروف اور مقبول ہیئت سمجھی جاتی ہے۔ اردو شاعری میں بھی ماہیا اسی سہ مصرعی شکل میں رائج ہے اور بیشتر شعرا اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہیں۔ روایتی ماہیے میں پہلا مصرع عموماً تمہیدی نوعیت کا ہوتا ہے اور بسا اوقات اس کا اگلے دو مصرعوں سے براہِ راست معنوی تعلق نہیں ہوتا۔ تاہم ایسے بہت سے ماہیے بھی تخلیق کیے گئے ہیں جن کے تینوں مصرعے باہمی ربط اور وحدتِ معنی کے حامل ہوتے ہیں۔ فنی اعتبار سے ماہیا ایک سہ مصرعی صنفِ سخن ہے جس میں پہلا اور تیسرا مصرع وزن اور قافیے کے لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں جبکہ درمیانی مصرع ان دونوں کے مقابلے میں وزن کے اعتبار سے ایک سبب (یعنی دو حروف) کم رکھتا ہے۔ یہی عروضی ساخت ماہیے کی انفرادی شناخت اور موسیقیت کو برقرار رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

پنجابی ماہیے کی دل آویز دھن اور عوامی مقبولیت نے اردو شعرا کو بھی اس صنف کی طرف متوجہ کیا چنانچہ اردو میں ماہیا نگاری کا آغاز فلمی نغموں کے ذریعے ہوا۔ اس سلسلے میں ہمت رائے شرما کو اردو کا اولین ماہیا نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ۱۹۳٦ء میں فلم "خاموشی" کے لیے گیارہ ماہیے تخلیق کیے جنہیں غلام احمد چشتی (باباجی اے چشتی) کی موسیقی میں خود اپنی آواز میں پیش کیا۔ اس کے بعد چراغ حسن حسرت (۱۹۰۴ء–۱۹۵۵ء) نے بھی پنجابی ماہیے کی دلکشی سے متاثر ہو کر ۱۹۳۷ء میں فلم "باغبان" کے لیے ماہیے تحریر کیے۔ ان ماہیوں کو استاد بڑے غلام علی خان کے برادرِ خورد، استاد برکت علی خان (۱۹۰۵ء–۱۹٦۲ء) نے پہاڑی طرز کی ٹھمری میں گایا جس سے انہیں خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اختر شیرانی (۱۹۰۵ء–۱۹۴۸ء) نے بھی ماہیے تخلیق کیے۔ تاہم انہوں نے انہیں گیت کی صورت میں پیش کیا اور واضح کیا کہ پنجابی لوک صنفِ ماہیا کو ضروری تصرف کے ساتھ اردو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ماہیوں میں گیت کی فنی خصوصیات نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔ بعد ازاں ۱۹۵۳ء میں قتیل شفائی نے فلم "حسرت" کے لیے ماہیے تحریر کیے جنہیں سلیم رضا اور زبیدہ خانم نے اپنی آوازوں سے امر کر دیا جبکہ فلم میں یہ نغمے سنتوش کمار اور صبیحہ خانم پر فلمائے گئے۔ ان ماہیوں کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔ اسی تسلسل میں ۱۹۵۸ء میں فلم "پھاگن" کے لیے قمر جلال آبادی نے ماہیے لکھے جنہیں محمد رفیع اور آشا بھوسلے نے گایا۔ یوں فلمی موسیقی نے اردو ماہیا کو عوامی سطح پر متعارف کرانے اور اسے مقبول بنانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ساحر لدھیانوی نے بھی فلم "نیا دور" کے لیے ار دو ماہیے لکھے جنہیں محمد رفیع نے گایا تھا۔

۱۹۹۵ء میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے "رم جھم رم جھم" کے عنوان سے ماہیوں کا ایک اہم انتخاب مرتب کیا جس میں گیارہ ممتاز ماہیا نگاروں کی تخلیقات کو یکجا کیا گیا۔ اس مجموعے میں پاکستان اور بھارت، دونوں ممالک کے نمائندہ شعرا کو شامل کرکے اردو ماہیا نگاری کی مشترکہ ادبی روایت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پاکستانی شعرا میں ضمیر اظہر، امین خیال، عارف فرہاد، یوسف اختر، سعید شباب اور حیدر قریشی شامل ہیں جبکہ بھارتی ماہیا نگاروں میں پروین کمار اشک، نذیر فتح پوری، انور مینائی، یونس احمد اور خود ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تخلیقات کو جگہ دی گئی ہے۔ یہ انتخاب اردو ماہیا نگاری کی ترقی، تنوع اور برصغیر میں اس کے فروغ کا ایک اہم ادبی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس نے اس صنف کے نمایاں تخلیق کاروں کو ایک ہی مجموعے میں متعارف کرانے کا قابلِ قدر کام انجام دیا۔

۱۹۹۶ء میں حیدر قریشی کا ماہیا مجموعہ "محبت کے پھول" منظرِ عام پر آیا جسے پنجابی ماہیے کے روایتی اوزان کی پابندی کے ساتھ اردو میں شائع ہونے والا اولین مجموعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس مجموعے میں عشق و محبت کے متنوع پہلو نہایت خوب صورتی سے نمایاں ہوئے ہیں۔ محبوب کے حسن و جمال، ہجر و وصال، شوخی و چھیڑ چھاڑ، عشق کی وارفتگی، قلبی بے چینی اور عہد و وفا جیسے مضامین ان کے ماہیوں کا بنیادی سرمایہ ہیں، جنھیں انھوں نے سادہ مگر مؤثر اسلوب میں پیش کیا ہے۔ پروفیسر قمر ساحری کا مجموعۂ "بادِ سبز" بھی اردو ماہیا نگاری میں اہم مقام رکھتا ہے۔ ان کے ماہیوں میں مقامی تہذیب، دیہی زندگی اور علاقائی ثقافت کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے ۔ امین خیال کا مجموعہ "یادوں کے سفینے" گوجرانوالہ سے شائع ہوا جس میں تقریباً چار سو ماہیے شامل ہیں۔ امین خیال پنجابی زبان کے ممتاز شاعر ہیں اور پنجاب کی لوک روایت، تہذیبی اقدار اور ثقافتی رنگوں سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے اردو ماہیے پنجابی روایت کی روح کے عین مطابق محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں وہی مٹھاس، موسیقیت، سادگی اور دلکشی موجود ہے جو پنجابی ماہیے کی نمایاں فنی خصوصیات سمجھی جاتی ہیں۔

بھارت میں اردو ماہیا نگاری کے فروغ میں متعدد شعرا نے نمایاں کردار ادا کیا جن میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا نام خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے ماہیوں میں سماجی جبر، گھٹن، استحصال، ناانصافی اور انسانی بے بسی جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے معاشرتی مسائل کو نہایت مؤثر اور حساس انداز میں شعری قالب عطا کرتے ہیں جس سے ان کی تخلیقات فکری اور سماجی شعور کی آئینہ دار بن جاتی ہیں۔ انور مینائی بھی ان اہم ماہیا نگاروں میں شامل ہیں جنھوں نے بھارت میں اردو ماہیا نگاری کے فروغ کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے ماہیوں میں ظلم، ناانصافی، انسانی المیے اور معاشرتی ناہمواریوں کا بیان نمایاں ہے۔ ان کا مجموعۂ "روپ نگر" اہم ادبی حوالہ ہے۔ بھارت کے ممتاز ماہیا نگار نذیر فتح پوری کے ماہیوں کا مجموعہ "ریگِ رواں" شائع ہوا جس میں علاقائی تہذیب، لوک روایت اور مقامی زندگی کے رنگ نمایاں طور پر جھلکتے ہیں۔ ڈاکٹر فراز حامدی نے بھی درست عروضی اصولوں کے مطابق ماہیے تخلیق کیے اور بھارت میں اس صنف کو ایک ادبی تحریک کی صورت میں زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ پروین کمار اشک کے ماہیے اپنے فکری اور فلسفیانہ اندازِ اظہار کے باعث منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔

یوسف اختر کے ماہیوں کا مجموعۂ "دل حجرہ" اردو زندگی کے متضاد احساسات یعنی مسرت اور الم دونوں کی دل نشیں عکاسی کرتا ہے۔ وہ انسانی جذبات کی نزاکتوں کو نہایت سادہ مگر مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ قاضی اعجاز محور کا مجموعۂ "نزدیک تو آ گوری" بھی اس صنف کا ایک اہم ادبی سرمایہ ہے۔ ان کے ماہیوں کے موضوعات زیادہ تر دیہی معاشرت، لوک زندگی اور پنجاب کی ثقافتی فضا سے اخذ کیے گئے ہیں۔ وہ دیہات کی سادگی، فطری حسن اور عوامی جذبات کو نہایت بے

ساخت انداز میں شعری پیکر عطا کرتے ہیں۔ مسعود ہاشمی کے ہاں ماہیا اپنی روایتی ہیئت اور فنی تقاضوں کے ساتھ پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ان کے ہاں ہجر و وصال، حسن و جمال، عشق کی لطافت، بے بسی، محرومی، تنہائی، زمانے کی بے مروتی اور دوستوں کی بے وفائی جیسے مضامین مختلف انداز میں سامنے آتے ہیں۔

اردو ماہیا نگاروں میں عارف فرہاد کا نام بھی نمایاں ہے۔ ان کے ماہیوں میں صرف زبان اور لفظیات کی تازگی ہی نہیں بلکہ فکر و خیال کی جدت بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ روایتی موضوعات کو نئے زاویۂ اظہار کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس سے ان کے ماہیے انفرادی شناخت حاصل کرتے ہیں۔

زہیر کنجاہی کے ماہیوں کا مجموعہ "ساون کے مہینے میں" جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا جسے اردو ماہیا نگاری میں ایک اہم اضافہ تصور کیا جاتا ہے۔ زہیر کنجاہی ماہیے کی فنی روایت اور اس کے مزاج سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے بیشتر ماہیوں میں ہجر کی کسک، وصل کی آرزو اور محبت کے لطیف احساسات اس انداز سے بیان ہوئے ہیں کہ وہ ماہیے کی فطری لے اور موسیقیت کے ساتھ ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں جذبے کی سچائی اور اظہار کی لطافت نمایاں ہے۔ افضل چوہان کا مجموعہ "خاموش نہ ہو ماہیا" بھی اس صنف کی قابلِ قدر تخلیق ہے۔ ان کے ماہیوں میں سادگی، نفاست، روانی اور فنی پختگی نمایاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے صرف رومانوی موضوعات تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ معاشرتی اور معاشی مسائل کو بھی اپنے ماہیوں کا موضوع بنایا ہے۔

برطانیہ میں اردو ماہیا نگاری کے فروغ میں رضیہ اسماعیل کی خدمات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے اس صنف کو نئی جہت عطا کرتے ہوئے خواتین کے مسائل، ان کے احساسات اور سماجی حیثیت کو اپنے ماہیوں کا موضوع بنایا جس سے اردو ماہیا نگاری میں نسائی شعور کی ایک نئی جہت سامنے آئی۔ ماجد وفا عابدی نے بھی اپنے ماہیوں میں تہذیبی اقدار، ثقافتی روایات اور مشرقی طرزِ زندگی کی عکاسی کی ہے۔ ان کی شاعری میں موسیقیت، نغمگی اور فنی توازن نمایاں ہے، جس کے باعث ان کے ماہیے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سماعت پر بھی خوش گوار اثر مرتب کرتے ہیں۔

اعزاز احمد آذر کا مجموعہ "کب صبح ملن ہو گی" شائع ہو چکا ہے۔ ان کے ماہیوں میں لوک گیت اور ماہیا کی روایات کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ سعید شباب کے ماہیوں میں محبوب کی شادابی، مسکراہٹ اور محبت کی خوشبو نمایاں ہے۔ ان کی شاعری رومانوی احساسات سے بھرپور ہے۔ بخش لائلپوری نے اپنے ماہیوں میں محبت کے ساتھ ساتھ عصری، سماجی اور قومی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے جس سے ان کی شاعری فکری وسعت کی حامل بن جاتی ہے۔ ضمیر اظہر کا مجموعہ "پھول کہانی" شائع ہوا جس میں روایتی ماہیا اپنی نغمگی، سادگی اور دل آویزی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔

اردو ماہیا نگاری نے وقت کے ساتھ ارتقا کی جانب سفر کیا ہے اور آج یہ صنف فنی و موضوعاتی اعتبار سے خاصی وسعت اختیار کر چکی ہے۔ عصرِ حاضر میں مختلف موضوعات پر ماہیے تخلیق کیے جا رہے ہیں جس سے اس صنف کی وسعت میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے متعدد شعرا اس میدان میں سرگرم ہیں اور ادبی رسائل بھی باقاعدگی سے ماہیے شائع کر رہے ہیں۔ حالیہ برسوں میں جن شعرا نے اردو ماہیا نگاری میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں ان میں اجمل پاشا، احمد حسین مجاہد، اختر رضا سلیمی، ارشد اقبال آرش، امداد نظامی، انور فیروز، انیتا مروندی، بشریٰ رحمٰن، ترنم ریاض، ثریا شہاب، حسن عسکری کاظمی، ذوالفقار احسن، رقیہ منیر، ریحانہ قمر، سرفراز تبسم، سلطانہ مہر، شارق جمال، شاکر کنڈان، شاہد جمیل، شاہدہ ناز، شرون کمار ورما، شمیم انجم وارثی، صابر آفاقی، صابرہ خاتون حنا، صدف جعفری، عاصی کشمیری، عذرا اصغر، علقمہ شبلی، فراغ روہوی، قیصر شمیم، کلیم شہزاد، محمد وسیم انجم، ناصر

نظامی اور یاسمین سحر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعرا کی تخلیقی کاوشوں نے اردو ماہیانگاری کے فروغ اور استحکام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

شفیق آصف عہدِ حاضر کے ان اہم شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اردو شاعری کی روایتی اقدار سے وابستگی برقرار رکھتے ہوئے اپنا منفرد تخلیقی اسلوب تشکیل دیا ہے۔ انہیں شاعری کا فطری ذوق اور اظہار کا سلیقہ عطا ہوا ہے جس کی بدولت وہ ادبی حلقوں میں اپنی نمایاں شناخت قائم کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ ان کے کلام میں روایت اور جدت کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے جبکہ عصری شعور اور فکری آگہی بھی نمایاں ہیں۔ بعض مقامات پر ان کی شاعری میں خود شناسی اور تلاشِ ذات کے لطیف اشارے بھی ملتے ہیں، جو ان کے فکری تنوع کو مزید نکھارتے ہیں۔

شفیق آصف بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں تاہم انہوں نے نظم، نثری نظم اور ماہیانگاری میں بھی قابلِ قدر تخلیقی کام کیا ہے۔ ان کے ماہیے اردو ماہیانگاری کی روایت میں ایک اہم اور خوش آئند اضافہ سمجھے جاتے ہیں۔ ماہیا پنجاب کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی سے وابستہ ایک مقبول لوک صنفِ سخن ہے جسے بعد ازاں اردو شاعری میں بھی اختیار کیا گیا۔ اردو ماہیا نے پنجابی روایت کی بنیادی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی الگ ادبی شناخت قائم کی ہے۔ اس صنف میں غنائیت، مخصوص اوزان، سادگی اظہار اور لوک مزاج کو ہمیشہ بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے اور شفیق آصف کے ماہیے بھی انہی فنی اوصاف کے عمدہ مظہر ہیں۔

شفیق آصف اپنے ہم عصر ماہیانگاروں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ماہیوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ”جب خواب بکھرتے ہیں“ 2016ء میں منظرِ عام پر آیا جس میں ۶۸ ماہیے شامل ہیں جبکہ دوسرا مجموعہ ”اک چہرہ بناؤں گا“ ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا جس میں ۶۹ ماہیے شامل کیے گئے ہیں۔ شفیق آصف نے اپنے ماہیوں میں پنجابی ماہیا کی اصل عروضی ساخت اور فنی مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اردو ماہیانگاری کو مزید وقار اور استحکام بخشا ہے۔ ان کے ماہیوں میں نغمگی، غنائیت اور فنی توازن نمایاں ہے جبکہ موضوعاتی تنوع نے اس صنف کے امکانات کو مزید وسیع کیا ہے۔ انہوں نے پنجابی ماہیا کی روایتی روح کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے جدید احساسات سے ہم آہنگ کیا ہے۔ سادہ اسلوب، شائستہ جذبات، نرم لہجہ، بلند فکر اور فنی پختگی ان کے ماہیوں کی نمایاں خصوصیات ہیں، جب کہ سوز، گداز، تاثیر اور موسیقیت ان کی شاعری کو مزید دل آویز بنا دیتے ہیں۔

محبت، ماہیا کا بنیادی اور مقبول ترین موضوع ہے اور شفیق آصف نے اس جذبے کی گوناگوں کیفیات کو نہایت خوب صورتی سے اپنے ماہیوں میں سمویا ہے۔ ان کے ہاں محبوب کی سراپانگاری دل آویز اور مؤثر انداز میں سامنے آتی ہے۔ چونکہ ماہیا ایک مختصر صنفِ سخن ہے اس لیے وہ محبوب کے حسن کو براہِ راست اور سادہ پیرائے میں بیان کرتے ہیں، تاہم بعض مقامات پر دلکش تشبیہوں اور بامعنی استعارات سے بھی اظہار کو مزید مؤثر بنا دیتے ہیں۔ ان کا علامتی اور استعاراتی اسلوب ان کی فنی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ شفیق آصف فطرت کے حسین مناظر کو محبوب کے حسن کے ساتھ اس مہارت سے ہم آہنگ کرتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ یوں ان کے ماہیوں میں حسنِ فطرت اور حسنِ محبوب ایک دل نشیں جمالیاتی وحدت اختیار کر لیتے ہیں۔

”خوشبو کی پھواریں ہیں
پھول سے پیکر کی
بستی میں بہاریں ہیں“

(۷)

”جب ٹھنڈی راتیں تھیں
چاند اکیلا تھا
تاروں کی گھاتیں تھیں“

(۸)

شفیق آصف نے عشق کی مختلف کیفیات کو اپنے ماہیوں میں نہایت دل نشیں اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں عشق محض جذباتی وابستگی نہیں بلکہ انسانی احساسات، روحانی لطافت اور داخلی تجربات کا ایک وسیع جہان ہے۔ وہ محبت کی ابتدا، وارفتگی، وصال کی مسرت، ہجر کی اذیت، انتظار کی بے قراری، یاد کی کسک اور محبوب سے وابستہ امید و یاس جیسی متنوع کیفیات کو سادگی اور فنی مہارت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کے ماہیوں میں عشق ایک پاکیزہ جذبے کی صورت سامنے آتا ہے جو انسان کی شخصیت کو نکھارتا ہے۔ شفیق آصف کی شعری زبان، علامتی اظہار اور جذبے کی صداقت عشق کے ان مختلف پہلوؤں کو مؤثر اور دل آویز بنا دیتی ہے۔

”چاہت کا زمانہ ہے
بہتے پانی میں
اک پھول بہانا ہے“

(۹)

”سوچوں میں بسایا ہے
دل میں رہتا ہے
جو میت بنایا ہے“

(۱۰)

”اک خواب چرانا ہے
دیپ محبت کا
آنکھوں میں جلانا ہے“

(۱۱)

محبوب سے ملنے کی آرزو کا اظہار شفیق آصف کے ماہیوں میں نہایت بے ساختگی، خلوص اور وارفتگی کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ان کے ماہیوں میں انتظار کی بے قراری، وصل کی امید اور محبوب سے ملاقات کی آرزو انسانی جذبات کی فطری ترجمان بن کر ابھرتی ہے۔ یہی بے تکلف اور دل نشیں اندازِ بیان شفیق آصف کے ماہیوں کو اثر آفرینی عطا کرتا ہے اور محبت کے جذبے کو ایک آفاقی انسانی تجربے کے طور پر پیش کرتا ہے۔

” ملنے مجھے آساجن
بات گلابوں سی
ہونٹوں پہ سجا ساجن“

(۱۲)

”زلفوں کا اندھیرا ہو
یار ملیں ہم سے
چاہت کا بسیرا ہو“
(۱۳)

شفیق آصف کے ماہیوں میں جدائی اور انتظار کی کیفیات کا اظہار بڑے خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ اس میں بے ساختگی اور جذبات میں شدت نظر آتی ہے لیکن شدتِ جذبات کے باوجود ان کے لہجے میں ملائمت ہے۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ایک حد سے زیادہ بلند آہنگ اور تلخ نہیں ہوتے۔ ان کا لہجہ ہر حال میں دھیما اور ملائم رہتا ہے۔

”دامن کو بھگونا ہے
تیری جدائی میں
دل کھول کے رونا ہے“
(۱۴)

”آنکھوں کو بلونے سے
کچھ تو بتا پگلی
کیا حاصل رونے سے“
(۱۵)

”دل اپنا دھونا ہے
خواب ستارے کو
پلکوں پہ پرونا ہے“
(۱۶)

شفیق آصف کے ماہیوں میں محبت کے جذبات گہرائی اور صداقت کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ محبوب کی یاد دل میں ایک ایسی دائمی کسک پیدا کرتی ہے جو ہر لمحہ احساس کی شدت میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ وصل سے محرومی کا درد شاعر کے باطن میں ایک خاموش اذیت کی صورت رچ بس جاتا ہے جو اس کے ہر جذبے اور ہر خیال پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی احساسی صداقت اور فنی سادگی ان کے ماہیوں کو دل نشیں بنا دیتی ہے۔

”یادوں کے جو سائے ہیں
رات اکیلی میں
خوابوں نے بچھائے ہیں“
(۱۷)

”سوچوں کے کٹاؤ سے
آگ لگائی ہے
یادوں کے الاؤ سے“

(۱۸)

شفیق آصف کے ماہیوں میں خوابوں کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ وہ خواب دیکھتے ہیں اور زندگی کی خوابناک کیفیات کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں۔ وہ خوابوں کی صورت گری اور تجسیم کاری مختلف زاویوں سے کرتے ہیں۔

"ہاتھوں کو ہلاتے ہیں
خواب کی کشتی سے
وہ ہم کو بلاتے ہیں"

(۱۹)

"جب تیرا خیال آیا
خواب کے دامن میں
یادوں کو سنبھال آیا"

(۲۰)

شفیق آصف معاشرے میں ظلم، جبر اور سماجی بے انصافیوں کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں لیکن وہ ان مایوس کن حالات سے دل برداشتہ نہیں ہوتے۔ انہیں یقین ہے کہ آخر حالات بدلیں گے۔ یہ امید ان کے لہجے میں رجائیت پیدا کرتی ہے اور ان کے لب ولہجہ میں دھیما پن اور توازن قائم رہتا ہے۔ ان کے ہاں سیاسی اور معاشرتی گھٹن کا احساس ہے لیکن اس کے باوجود وطن سے محبت اور وابستگی قائم ہے۔

"ہر سمت اداسی ہے
منظر دھندلے ہیں
ہر آنکھ پیاسی ہے"

(۲۱)

"دریا ہے سفینہ ہے
لہریں میری ہیں
اب کیسے جینا ہے"

(۲۲)

"گردش میں ستارا ہے
لگتا ہے یارو
جیون میں خسارا ہے"

(۲۳)

اب وہ ماہیے دیکھیے جن میں شاعر کا لہجہ امید، حوصلے اور روشن امکانات سے معمور دکھائی دیتا ہے۔ وہ زندگی کے مثبت پہلوؤں پر یقین رکھتے ہوئے بہتر مستقبل کی آرزو کا اظہار کرتا ہے۔ مشکلات اور محرومیوں کے باوجود اس کے ہاں مایوسی کے بجائے امید کا چراغ روشن نظر آتا ہے جو اس کی فکری پختگی اور زندگی سے وابستگی کی علامت ہے۔ یہی امید افزا رویہ ان ماہیوں کو ایک مثبت اور حوصلہ بخش جہت عطا کرتا ہے۔

”ظلمت کو مٹائیں گے
رات اکیلی ہے
سورج کو جگائیں گے“

(۲۴)

”دشمن سے بچانا ہے
اپنی دھرتی کو
جنت سی بنانا ہے“

(۲۵)

”اک پیار سویرا ہو
ساری بستی میں
خوشیوں کا بسیرا ہو“

(۲۶)

اپنی دھرتی سے محبت اور شہروں، دیہاتوں کے حسن کی تعریف بھی اردو ماہیے کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ شفیق آصف نے اس حوالے سے بڑے جاندار ماہیے تخلیق کیے ہیں بلکہ جہاں شہر اور گاؤں کا موازنہ کیا ہے وہ ماہیے بے مثال ہیں:

”یہ شہر مثالی ہے
خواب سے چہروں نے
اک بزم سجا لی ہے“

(۲۷)

”چاہت کی فضائیں ہیں
تیری بستی میں
مخمور ہوائیں ہیں“

(۲۸)

”الفت کی چھاؤں سے
پیار پریمی ہوں
آیا ہوں میں گاؤں سے“

(۲۹)

شفیق آصف نے پنجابی رومانوی داستانوں کو اپنے ماہیوں میں نہایت خوب صورتی اور فنی مہارت کے ساتھ برتا ہے جس سے ان کے ماہیے پنجابی تہذیب اور لوک روایت سے مضبوط رشتہ استوار کرتے ہیں۔

”خوشبو کی قطاریں ہیں
رانجھن بیلے میں
ہیرن سی بہاریں ہیں“

(۳۰)

”اس پیار کے روگی کو
آس ہے سانول کی
تم ڈھونڈو جوگی کو“

(۳۱)

”ہیریں ہیں نہ بیلے ہیں
پیار کی نگری میں
سب لوگ اکیلے ہیں“

(۳۲)

شفیق آصف اپنی تہذیب و ثقافت سے محبت کرنے والے ماہیا نگار ہیں۔ ان کے ماہیوں میں تہذیبی رنگ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔ ان کے اردو ماہیوں میں پنجابی ماہیوں کی چاشنی ملتی ہے۔

کوئی بھی فن کار چاہے وہ شاعر ہو، موسیقار ہو یا مصور وہ ایک خاص معاشرے اور ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس کا فن پارہ کسی نہ کسی طرح اس ماحول اور معاشرے کی ضرور عکاسی کرتا ہے اور اس کے معاشرے کے مختلف رنگ اس کے فن پارے میں ضرور نظر آتے ہیں۔ شاعر کے پاس معاشرتی شعور ہوتا ہے ۔ وہ ایک خاص سماج سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اس معاشرے اور ماحول کے ہر واقعے سے متاثر ہوتا ہے اور لفظوں کے ذریعے اس کی عکاسی کرتا ہے اور اپنے ردعمل کا اظہار بھی کرتا ہے۔ شفیق آصف کے ماہیے بھی مقامی ماحول اور معاشرے کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔

”ساون کا مہینہ ہے
دریا ہے بپھرا
حیرت میں سفینہ ہے“

(۳۳)

”پانی کے بہاؤ سے
بستی ڈوب گئی
دریا کے کٹاؤ سے“

(۳۴)

ماں کا رشتہ بڑا مقدس اور معتبر رشتہ ہے۔ اردو ماہیے میں اس رشتے کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ماں کی دعا کا مضمون بھی سو رنگ میں باندھا جا چکا ہے۔ ماں کی دعا کے حوالے سے شفیق آصف کا ماہیا اپنی مثال آپ ہے:

”جب ماں کی دعائیں تھیں
اپنے جیون پر
رحمت کی گھٹائیں تھیں“

(۳۵)

شفیق آصف کے ماہیوں میں دنیا کی بے ثباتی کا تصور نہایت واضح ہے۔ وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا عارضی ہے اور یہاں ہر شے فنا کے قانون کے تابع ہے۔ انسان، دولت، شہرت اور دنیاوی آسائشیں سب وقت کے ساتھ مٹ جاتی ہیں اس لیے ان سے ضرورت سے زیادہ دل لگانا دانش مندی نہیں۔ شاعر قاری کو اس حقیقت کا احساس دلاتا ہے کہ زندگی کی اصل قدر نیک اعمال، اعلیٰ اخلاق اور دائمی اقدار میں ہے نہ کہ فانی خواہشات میں۔ ان کے ماہیوں میں دنیا کی ناپائیداری کا بیان محض فلسفیانہ خیال نہیں بلکہ ایک فکری اور اخلاقی پیغام بھی ہے جو انسان کو حقیقت پسندانہ طرزِ فکر اختیار کرنے اور عارضی دنیا کے بجائے پائیدار انسانی و روحانی اقدار کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

"لمحوں میں روانی ہے
جتنا بھی جی لو
یہ عالم فانی ہے"

(۳۶)

"ریلا تھا پانی کا
گزر گیا پل میں
کیا روپ جوانی کا"

(۳۷)

شفیق آصف کے ماہیوں میں سماجی اقدار کے زوال کا موضوع نہایت مؤثر انداز میں نمایاں ہوتا ہے۔ وہ جدید معاشرت میں اخلاقی انحطاط، رشتوں کی کمزوری، خود غرضی، مادہ پرستی اور انسانی ہمدردی کے فقدان پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے ماہیے اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ بدلتے ہوئے سماجی حالات نے محبت، اخلاص، رواداری اور باہمی اعتماد جیسی اعلیٰ انسانی اقدار کو کمزور کر دیا ہے۔ شاعر ان منفی تبدیلیوں کو صرف بیان ہی نہیں کرتا بلکہ قاری کو ان اقدار کی اہمیت کا احساس بھی دلاتا ہے۔ شفیق آصف کے ماہیوں میں سماجی زوال کی تصویر کشی دراصل ایک اصلاحی شعور کی نمائندہ ہے جو معاشرے کو اپنی کھوئی ہوئی اخلاقی اور تہذیبی روایات کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ سماجی اقدار کے زوال کا ذکر شفیق آصف کے ماہیوں میں یوں ہوا ہے:

"نفرت کا زمانہ ہے
سانول جذبوں سے
لوگوں کو جگانا ہے"

(۳۸)

"جو تیری کہانی ہے
غور سے سن آصف
وہ میری کہانی ہے"

(۳۹)

پنجابی ماہیے میں عام طور پر پہلے مصرع کا باقی دو مصرعوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یا بہت ہی مبہم سا تعلق ہوتا ہے لیکن شفیق آصف کی یہ انفرادیت ہے کہ ان کے ماہیوں میں اکثر تینوں مصرعوں میں داخلی اور خارجی ربط ہے۔ اس سے ایک مکمل جمالیاتی تاثر پیدا ہوتا ہے اور ایک کامل تصویر تخلیق ہو جاتی ہے۔ اس سے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ ذو الفقار احسن کی بھی یہی رائے ہے:

> ”پنجابی ماہیے کا پہلا مصرعہ بے معنی ہوا کرتا ہے جو صرف قافیہ ردیف ملانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو کے شعراء نے بھی پہلے مصرعہ کو بے معنی ہی رہنے دیا لیکن ڈاکٹر شفیق آصف کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے پہلے مصرعہ کو بھی بامعنی بنا کر پیش کیا ہے جس سے اردو ماہیے کے وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔“(۴۰)

شفیق آصف کے ماہیوں کا یہ فکری ارتباط ان کے ماہیوں کا فکری جہاں اور زیادہ وسیع کر دیتا ہے۔ شفیق آصف کے ماہیے اس کی ذات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ پروفیسر حسین سحر لکھتے ہیں:

> ”جب شفیق آصف اپنے جذبات کا اظہار ماہیا میں کرتا ہے تو اسے اپنی محبت اور اپنی ذات کا بھرپور عکس بنا دیتا ہے یا یوں کہیے کہ ماہیا میں شفیق آصف ہوتا ہے۔(۴۱)

شفیق آصف کے اردو ماہیے نہایت پُر کشش اور دلکش ہیں کیونکہ وہ بقول ڈاکٹر فرحت عباس:

> ”ان میں انسانی جذبات و احساسات کی فراوانی کے ساتھ ساتھ عام انسانی نفسیات اور معاشرتی اقدار کا خوبصورت اظہار بھی ملتا ہے۔“ (۴۲)

شفیق آصف کے ماہیے اردو ماہیا نگاری میں خوبصورت اضافہ ہے۔ انہوں نے ماہیے کے امکانات کو دریافت کیا ہے۔ اس کے موضوعات میں وسعت پیدا کی ہے۔ انہوں نے اس کے وزن کو عروضی سطح پر اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور وزن کی نزاکت کا خیال ہمیشہ رکھا ہے۔ ان کے ماہیے غنائیت سے لبریز ہیں۔ رومانی طرزِ احساس کے باوجود شفیق آصف نے ماہیے میں زمانے کے دکھ درد، سماجی ناانصافیوں اور دیگر معاشرتی سچائیوں کو بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بقول خالد اقبال:

> ”ماہیے کی روایت کو بھی خوب نبھایا ہے۔“(۴۳)

شفیق آصف اردو ماہیے کے معتبر شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی فکری وسعت، فنی مہارت اور منفرد اسلوبِ اظہار کے ذریعے اردو ماہیے کو نئی معنوی جہات عطا کی ہیں۔ ان کے ماہیوں میں عشق، سماجی مسائل، انسانی اقدار، تہذیبی شعور، امید، تصوف اور زندگی کے دیگر متنوع موضوعات نہایت سادگی اور اثر آفرینی کے ساتھ جلوہ گر ہوئے ہیں۔ یہ موضوعاتی تنوع اور فنی پختگی انہیں اپنے ہم عصر ماہیا نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ شفیق آصف نے روایت سے وابستگی برقرار رکھتے ہوئے اپنے تخلیقی شعور کے ذریعے ماہیے کو عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جس کے باعث ان کی شاعری اردو ماہیے کی روایت میں ایک منفرد اور قابلِ قدر مقام کی حامل نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحق، مہر، ڈاکٹر، سرائیکی لوک گیت، بزمِ ثقافت، ملتان، ۱۹۶۴ء، ص۱۰۱

۲۔ حیدر قریشی، اردو ماہیا تحقیق و تنقید، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ستمبر ۲۰۱۰ ء، ص۲۸

۳۔ مقصود ناصر چودھری، مشمولہ: پنجابی لوک گیتاں دافنی تجزیہ از سرفراز حسین، قاضی، ڈاکٹر، عزیز پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص۱۴۶

۴۔ شارب انصاری، پروفیسر، مشمولہ: اردو ماہیا تحقیق و تنقید از حیدر قریشی، ص۲۶۳

۵۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، عزیز بک ڈپو، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص۵۷

۶۔ احمد ندیم قاسمی، مشمولہ: پنجابی لوک گیتیاں دافنی تجزیہ از سرفراز حسین، ص۱۴۹،۱۴۸

۷۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ادب رنگ پبلی کیشنز، ملتان / سرگودھا، ۲۰۱۶ء، ص۲۲

۸۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۴۷

۹۔ ایضاً، ص۵۰

۱۰۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ادب رنگ پبلی کیشنز، ملتان / سرگودھا، ۲۰۱۷ء، ص۲۲

۱۱۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ص۱۷

۱۲۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۱۷

۱۳۔ ایضاً، ص۷۶

۱۴۔ ایضاً، ص۱۴

۱۵۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ص۲۴

۱۶۔ ایضاً، ص۳۱

۱۷۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۱۵

۱۸۔ ایضاً، ص۱۳

۱۹۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ص۵۲

۲۰۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۱۶

۲۱۔ ایضاً، ص۵۵

۲۲۔ ایضاً، ص۵۱

۲۳۔ ایضاً، ص۷۹

۲۴۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ص۶۰

۲۵۔ ایضاً، ص۳۹

۲۶۔ ایضاً، ص۱۲

۲۷۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۶۸

۲۸۔ ایضاً، ص۱۷

۲۹۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص٦٦

۳۰۔ ایضاً، ص۴٦

۳۱۔ ایضاً، ص٦١

۳۲۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ص۸۰

۳۳۔ ایضاً، ص٦١

۳۴۔ ایضاً، ص۴۷

۳۵۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۸۰

۳٦۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، اک چہرہ بناؤں گا، ص٦۲

۳۷۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۷۴

۳۸۔ شفیق آصف، ڈاکٹر، جب خواب بکھرتے ہیں، ص۳۴

۳۹۔ ایضاً، ص۳۵

۴۰۔ ذوالفقار احسن، شفیق آصف کے اردو ماہیے (مضمون)، مشمولہ: جب خواب بکھرتے ہیں از شفیق آصف، ادب رنگ پبلی کیشنز، ملتان / سرگودھا، ۲۰۱٦ء، ص۱۰، ۹

۴۱۔ حسین سحر، پروفیسر، مشمولہ: جب خواب بکھرتے ہیں از شفیق آصف، بیک ٹائٹل

۴۲۔ فرحت عباس، ڈاکٹر، شفیق آصف کی ماہیا نگاری (مضمون)، مشمولہ: اک چہرہ بناؤں گا از ڈاکٹر شفیق آصف، ادب رنگ پبلی کیشنز، ملتان / سرگودھا، ۲۰۱۷ء، ص۱۱

۴۳۔ خالد اقبال مشمولہ: جب خواب بکھرتے ہیں از شفیق آصف، بیک ٹائٹل